الجامع الکبیر ''میں نقل بھی کئے ہیں۔

ان مفسرین صحابہؓ کے علاوہ بھی صحابہ کرام کی ایک ایسی جماعت پائی جاتی ہے جن سے سینکڑوں تفسیری روایات منقول ہیں جن میں ام المومنین حضرت عائشہ، عبداللہ بن عمر بن خطاب، عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابو ہریرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

ڈاکٹر فواد سیزگین اگر صرف اپنے دو ہم زبان ہموطنوں کی کتب کا مطالعہ کر لیتے تو ان سے یہ غلطی نہ ہوتی کیوں کہ ان دونوں کی کتابوں میں مذکورہ بالا تمام اسماء موجود ہیں۔

عمر نزیہ بلمان کی کتاب۔ Buyuk -Tafsir Tarihi Tabakatul Mufessirin- جوترکی زبان اور لاطینی رسم الخط میں استنبول سے شائع ہو چکی ہے۔

گیارہویں صدی کے عالم احمد بن محمد ادنوی کی ''طبقات المفسرین کا ایک نسخہ دارالکتب المصریہ میں ۱۸۵۹ تاریخ طلعت کے تحت موجود ہے۔

اس کے علاوہ امام سیوطی نے مذکورہ بالا مفسرین صحابہ کے ہزاروں اقوال ''ترجمان القرآن'' میں جمع کردیے ہیں۔ حالانکہ یہ کتاب زمانہ کی دست برد کا شکار ہوگئی ہے۔ تاہم اس کا اختصار ''الدر المنثور فی التفسیر بالماثور'' کے نام سے موجود ہے۔

تاریخی حوالے نقل کرنے کے بعد انھوں نے مثال کے طور حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ اور ابن عباسؓ کا فن تفسیر میں مقام ومرتبہ کو روایات کی روشنی میں متعین کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ صحابہ کرام تفسیر میں اساطین کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسی ضمن میں انھوں نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ کبار مفسرین صحابہ کے تفسیری اقوال کو یکجا کردیا گیا ہے۔ مثلاً ابن عباسؓ کے تفسیری اقوال کو کئی محققین نے کتب حدیث سے تلاش وجستجو کے بعد ایک جگہ جمع کردیا ہے اس سلسلہ میں جامعہ ام القری کے ڈاکٹر عبدالعزیز حمیدی کا حوالہ دیا جاسکتا ہے جن کی تحقیقات کو یونیورسٹی نے شائع بھی کردیا ہے۔ اسی یونیورسٹی کے ایک اور استاد احمد عایش نے ابن عباس کے ان تفسیری اقوال کو جمع کردیا ہے جو حضرت علی بن ابی طلحہؒ سے مروی ہیں اس کے علاوہ امام

محمد بن سعود یونیورسٹی میں محققین کی ایک ٹیم نے اسی نوعیت کی خدمت انجام دی ہے۔

ابن عباسؓ کی طرح ابن مسعودؓ کے تفسیری اقوال بھی قاہرہ یونیورسٹی کے محمد احمد عیسوی نے جمع کردیئے ہیں جو ریاض کے ''موسسۃ الملک فیصل الخیریہ'' کی جانب سے شائع بھی ہوچکی ہے حضرت عائشہؓ کے تفسیری اقوال کو جمع کرنے کا فریضہ جامعہ ازہر کے ڈاکٹر محسن حمودی نے انجام دیا ہے ام القری یونیورسٹی کے ڈاکٹر سعود الفنیسان نے ام المومنین سے مروی تفسیری روایات کو جمع کر کے شائع کردیا ہے۔ان کے علاوہ امام محمد بن سعود یونیورسٹی میں حضرت علیؓ کے اور ام القری یونیورسٹی میں ابی بن کعبؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ کے تفسیری اقوال کو تحقیقی مقالات کی صورت میں مدون کیا جاچکا ہے۔ان تحقیقی مقالات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا شمار کبار مفسرین صحابہ میں ہوتا ہے۔

۳۔ یہ بات حیرت کی باعث ہے کہ فواد سیزگین نے اس ضمن میں صرف ابن عباس کی تفسیر کا ذکر کیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس پر اتنی سخت تنقید کی ہے کہ گویا اس کے وجود اور عدم وجود کو برابر قرار دیدیا ہے۔اس حوالہ سے اگر ان کے خیالات کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ ان کا ماخذ مشہور مستشرق گولڈزیہر کے ان افکار و خیالات ہیں جن کا اظہار انھوں نے اپنی کتاب ''اتجاھات التفسیر القرآنی'' میں کیا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ فواد سیزگین نے اس تفسیر کے ضمن میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب کا سب گولڈزیہر سے ماخوذ ہے۔

۴۔ فواد سیزگین نے تفسیر ابن عباس کے سلسلہ میں اظہار خیال کرتے ہوئے اس میں پائے جانے والے اختلافات و تضادات کا بھی ذکر کیا ہے حالانکہ اس دعوی کے لئے ان کے پاس کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔اس سے جہاں تفسیر ابن عباس پر بلا جواز حرف آتا ہے وہیں وہ ثقہ راوی بھی مجروح ہوتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ رجال شیخین میں شامل ہیں بلکہ ان کا شمار کبار مفسرین تابعین میں ہوتا ہے۔

انھوں نے جن اختلافات و تضادات کا ذکر کیا ہے ان کا اطلاق بغیر ترجیح

اور توجیہ کے نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ان اختلافات کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ا۔ ضعیف سند سے مروی ہونا ۲۔ ثقہ اور مستند سند سے ثابت ہونا، چنانچہ جو روایات ضعیف سند سے مروی ہیں وہ اس موضوع بحث میں شامل ہی نہیں ہیں۔ باقی رہا ثقہ و مستند سند سے مروی روایات میں پائے جانے والے اختلافات کا معاملہ تو یہ بات اہل نظر سے پوشیدہ نہیں کہ ان کا تعلق تنوع کے اختلافات سے ہے نہ کہ تضاد و تناقض سے ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''مقدمہ فی اصول التفسیر'' میں اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ تفسیر کے ضمن میں اسلاف میں پائے جانے والے اختلافات کی نوعیت تنوع کے اختلافات کی ہے نہ کی تضاد کی۔ مضمون نگار نے ابن تیمیہ کا قول نقل کرنے کے بعد تفسیر ابن عباس میں پائے جانے والے اختلافات کے متعلق اپنے نقطۂ نظر کو مثالوں کے ذریعہ واضح کرتے ہوئے قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

۵۔ اس ضمن میں انہوں نے نہایت صراحت سے یہ بات کہی ہے کہ جن دلائل کی بنیاد پر فواد سیزگین نے یہ نتائج اخذ کئے ہیں وہ کمزور اور غلط ہیں۔ اہل نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ابن عباس اور ان کے تلامذہ کے افکار و خیالات براہ راست قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں۔ عبید اللہ بن ابی یزید کی روایت میں اس اجمال کی تفصیل اس طرح بیان ہوئی ہے کہ حضرت ابن عباس سے جب کسی مسئلہ کے متعلق پوچھا جاتا تو وہ پہلے قرآن کے حوالے سے اس کا جواب دیتے، اگر قرآن میں مذکور نہ ہوتا تو احادیث نبوی کے حوالے سے بیان کرتے۔ اگر مذکورہ دونوں مصادر میں اس کا جواب نہ ملتا تو کبار صحابہ مثلاً ابوبکرؓ و عمرؓ کے آثار کے حوالے سے اس کا جواب دیتے، اور اگر آثار صحابہ میں بھی اس کا جواب موجود نہ ہوتا تو اجتہاد کرتے ہوئے اپنی رائے کو بیان کرتے تھے، اس روایت کو نقل کرنے کے بعد مضمون نگار نے ان کا اجتہاد کرنا برحق ٹھہرایا ہے، اور اسے دلائل سے واضح کرتے ہوئے اپنی بات کو مزید باوزن بنانے کے لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول نقل کیا ہے اور یہ بات ثابت کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی فکر میں کسی مرحلہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے

قرأت اور تفسیر میں منہج نبوی سے ہی مکمل طور پر استفادہ کیا ہے۔

۶۔ فواد سیزگین کا یہ خیال ہے کہ ابن عباس اور ان کے تلامذہ نے تفسیر بالرای کے مکتب فکر کو پروان چڑھایا ہے اور تفسیر کے میدان میں اپنی آراء کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ مزید یہ کہ وہ اس ضمن میں اتنا آگے بڑھ گئے تھے کہ قرآن کی تفسیر کی خاطر علماء نصاری و یہود سے بھی استفادہ کرنے میں کسی طرح کی ہچکچاہٹ نہیں محسوس کرتے تھے۔

جہاں تک تفسیر بالرای کو پروان چڑھانے کا تعلق ہے اس کا تفصیلی جواب نظام معتزلی کا رد کرتے ہوئے استدراک نمبر ۱۳ میں دیا گیا ہے، مزید یہ کہ اگر تفسیر بالرای سے متعلق روایات ضعیف اسناد سے۔ مثلاً کلبی، عطیہ عوفی، صالح باذام یا باذان، اور ضحاک بن مزاحم سے منقول ہیں تو ان کی کوئی حیثیت نہیں لیکن جو مرویات صحیح اسناد سے منقول ہیں تو ان میں مذکور آراء کا تعلق محمود آراء سے ہوگا نہ کہ اہل زندقہ اور متشککین کی مذموم آراء سے۔ حضرت ابن عباس اور ان کے تلامذہ سے مروی آراء کی چار شکلیں ہوسکتی ہیں۔ ۱۔ قرآن وسنت اور آثار واقوال صحابہ سے استنباط، ۲۔ لغات عرب سے ماخوذ، ۳۔ متواتر قرأت کی وجوہ سے اخذ کردہ، ۴۔ اہل کتاب سے مستفاد۔ اس استفادہ کا تعلق ان مسائل سے ہے جن کے باب میں قرآن وسنت نے سکوت اختیار کیا ہے، یا ان مسائل سے متعلق ہیں جن کی تائید قرآن وسنت سے ہوتی ہے اس تفصیل سے واضح ہے کہ اسرائیلیات کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اسرائیلیات کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ۱۔ جن کی تصدیق قرآن وسنت سے ہوتی ہو وہ صحیح ہیں، ۲۔ جن کی تکذیب قرآن وسنت سے ہوتی ہو وہ غلط ہیں۔ ۳۔ جن کے بارے میں قرآن وسنت خاموش ہوں ان کی نہ تو تصدیق کی جائے گی اور نہ ہی تکذیب، ابن تیمیہؒ کے نقطہ نظر کو نقل کرنے کے بعد مضمون نگار نے پہلی قسم کی متعدد مثالیں صحیحین کے حوالے سے بیان کی ہیں۔

۷۔ جہاں تک حضرت ابن عباسؓ اور ان کے تلامذہ کا اہل کتاب سے اخذ کرنے کا تعلق ہے تو یہ امر واقعہ ہے کہ انہوں نے اہل کتاب سے کوئی ایسی روایت

اخذ نہیں کی جو قرآن وسنت کے خلاف ہو۔ اس قسم کی جو باتیں ان کی مرویات میں شامل ہیں ان کی چھان پھٹک کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کے اقوال میں بہت کچھ تحریف اور اضافہ کردیا گیا ہے۔

۸۔ فواد سیزگین نے مقدمہ تفسیر القرآن میں بعض ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جو دست بردزمانہ سے محفوظ رہ گئی ہیں اور موجود ہیں ان میں تفسیر مجاہد (م۱۰۴ھ) بھی شامل ہے اس تفسیر سے متعلق تفصیلات کو بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ یہ مطبوعہ ہے اور امام مجاہد بن جبر کی طرف منسوب کی جاتی ہے، حالانکہ دراصل وہ آدم بن اُبی ایاس (م۲۲۰ کی تفسیری مرویات میں شامل ہے۔ اس غلط فہمی کا بنیادی سبب کاتب کی غلط بیانی ہے جس پر فواد سیزگین اور کتاب مذکور کے محقق عبدالرحمٰن طاہر سورتی نے آنکھ بند کرکے اعتماد کرلیا ہے، اس کتاب کا پہلا محقق ایڈیشن قطر سے اور پھر لبنان سے دوجلدوں میں شائع ہوچکا ہے۔ مضمون نگار نے دلائل سے واضح کیا ہے کہ مذکورہ بالا تفسیر دراصل آدم بن ابی ایاس کی ہے نہ کی حضرت مجاہد کی، اس نقطۂ نظر کو اور مستحکم کرنے کے مقصد سے انہوں نے اس کتاب میں شامل تمام اسناد کا جائزہ لیا ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ابو القاسم عبدالرحمٰن بن حسن بن احمد بن محمد ہمدانی سے شروع ہوکر ابراہیم بن حسین بن علی ہمدانی کے واسطہ سے آدم بن ابی ایاس تک پہنچتی ہیں اور ان کے بعد وہ مختلف مفسرین وشیوخ کے درمیان منقسم ہوجاتی ہیں جن میں سے ایک مجاہد بن جبر بھی ہیں۔

مضمون نگار نے لبنان سے شائع شدہ تفسیر کے جزء اول میں شامل اسناد کا ایک تفصیلی چارٹ تیار کیا ہے جس سے واضح طور پر یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ آدم بن ابی ایاس کن کن واسطوں سے روایت کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا چارٹ کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ بعض مرتبہ وہ متعدد واسطوں کے ذریعہ مجاہد بن جبر سے روایت کرتے ہیں اسی طرح وہ ورقاء بن عمر عن ابن اُبی نجیح عن مجاہد سے بھی اچھی خاصی روایات نقل کرتے ہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ تفسیر دراصل آدم بن ابی ایاس کی ہے اور انھوں نے اپنے شیخ ورقاء کے واسطہ سے ابن ابی نجیح سے اور ان کے واسطہ سے مجاہد سے استفادہ کیا ہے۔

۹۔ فوادسیزگین نے کثرت سے مستشرقین کے اقوال نقل کئے ہیں ان مستشرقین نے بعض بڑے تابعی مفسرین کے عقائد پر طعن وتشنیع کی ہے، جن کی تفسیری روایات کو ساری امت نے قبول کیا ہے، امام مجاہد کے بارے میں امام سفیان ثوری کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی آیت کی تفسیر مجاہد سے مروی ہے تو یہ تمہارے لئے کافی ہے۔ ایسے جلیل القدر مفسر کے متعلق فوادسیزگین نے گولڈزیہر کی زہرآلود کتاب ''اتجاهات التفسیر القرآنی'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ آزادانہ تفسیر بیان کرنے کے معاملہ میں بہت آگے بڑھ گئے تھے اس کے بقول مشبہ عبارات کی مجازی تاویلات کرنے کی شروعات انہوں نے کی جسے بعد میں معتزلہ نے زیادہ تفصیل سے پیش کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ مجاہد حضرت ابن عباس کے عظیم ترین تلامذہ میں شامل ہیں۔ انہوں نے دسیوں اصحاب رسولؐ سے اُخذ واستفادہ کیا تھا، مجاہد سے صحیح سند سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے شروع سے لیکر آخرِ قرآن تک تین مرتبہ پڑھا اوران سے ہر آیت کے متعلق پوچھا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ مجازی تاویلات کا ان سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ قرأت اور تفسیر کے متعلق معلومات کو حضرت ابن عباسؓ سے حاصل کرتے تھے اور انھیں سے تفسیر نقل کرتے تھے، صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے تفسیر لکھنے کے لئے کہتے تھے، وہ مشبہہ عبارات کا استعمال نہیں کرتے تھے تفسیر بیان کرنے میں ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پہلے خود قرآن سے پھر تفسیر نبوی سے پھر تفسیر صحابہ سے استنباط کرتے تھے، مضمون نگار نے قرآن کریم سے ان کے استنباط کی مثالیں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی تفسیر میں تفسیر نبوی اور تفسیر صحابہ سے استنباط کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

مضمون نگار نے امام مفسر سمرقند کی سند سے ابن مجاہد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ان کے والد سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ اپنی رائے سے تفسیر بیان کرتے ہیں تو وہ رو پڑے اور کہنے لگے کہ اگر میں ایسا کرتا ہوں تو میں جری ہوں، واقعہ یہ ہے کہ میں نے دسیوں اصحاب رسولؐ سے تفسیر کے سلسلہ میں استفادہ کیا ہے۔

اس روایت سے صاف طور سے ظاہر ہے کہ وہ شبہ جسے اہل شبہات مجاہد کے زمانہ سے آج تک نقل کرتے آرہے ہیں غلط ہے، اسی طرح یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی رائے کی بنیاد پر تفسیر نہیں بیان کرتے تھے، بلکہ اس کا تعلق یا تو شواہدِ لغت سے ہوتا تھا یا خود قرآن سے ہوتا تھا، یا صحابہ کرام سے اُخذ کرتے تھے البتہ عموماً وہ ان کے نام بیان نہیں کرتے تھے۔ان سب کے باوجود اگر تفسیر قرآن کے سلسلہ میں ان کی اپنی آراء بھی موجود ہوں تو ان کا تعلق یقیناً محمود آراء سے ہے۔

۱۰۔ ابن عباس سے مروی تفسیر کے صحیفہ علی بن اُبی طلحہ (م ۱۴۳ھ) کا ذکر انھوں نے نہیں کیا ہے، فواد سیزگین کے بقول ایسی قرآنی تفاسیر نہیں ملتی ہیں جو براہ راست اس قدیم ترین تفسیر سے ماخوذ ہوں، جو ملتی بھی ہیں ان کا تعلق دوسری صدی کے نصف اول سے ہے، محمد بن السائب الکلبی، معمر، عبدالرزاق، سفیان ثوری، مقاتل بن سلیمان کی تفاسیر جن کا بہت ہی کم حصہ دستیاب ہو سکا ہے اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔

انہوں نے صحیفہ علی بن اُبی طلحہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے جبکہ اس کا زمانہ تصنیف دوسری صدی ھجری کے نصف اول سے قبل کا ہے، اسی طرح انھوں نے امام سیوطیؒ کا بھی ذکر نہیں کیا ہے جن کے توسط سے یہ نسخہ ہم تک پہنچا ہے، علامہ سیوطیؒ نے اس تفسیر کو تفسیر طبری، ابن ابی حاتم، اور رازی سے جمع کر کے اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' کی ۳۶ ویں فصل جو غریب الفاظ کے ضمن میں ہے نقل کیا ہے، مضمون نگار نے اپنے دلائل کو مزید مستحکم کرنے کے لئے امام سیوطیؒ کے قول کو نقل کیا ہے، جس کی صحیح اسناد سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچی ہے کہ حضرت ابن عباس اور ان کے شاگردوں نے قرآن کے تمام غریب الفاظ کی تفسیر بیان کی ہے اور یہ تفسیر صحیح اسناد سے مروی بھی ہے، خاص طور سے ابن اُبی طلحہ کی سند زیادہ صحیح ہے جس پر امام بخاریؒ نے بھی اعتماد کیا ہے۔

۱۱۔ فواد سیزگین نے حضرت ابن عباس کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے علی بن اُبی طلحہ کے صحیفہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر ان کی مرویات کو طبری سے جمع کیا جائے تو اس کی تعداد تقریباً ایک ہزار تک پہنچ جائے گی، ابن اُبی طلحہ کی مرویات کی

تعداد کے ضمن میں بھی فاضل مصنف کو سخت تسامح ہوا ہے کیونکہ انھوں نے کم از کم چارسو روایات کو ان کی مرویات میں سے کم کر دیا ہے ثبوت کے طور پر انھوں نے جناب احمد عایش کی تفسیر طبری اور بعض دیگر تفاسیر سے جمع کردہ ابن عباس سے مروی علی بن اَبی طلحہ کی روایتوں کو پیش کیا ہے، صرف تفسیر طبری میں ان سے مروی تقریباً چودہ سو روایتیں موجود ہیں۔

اس استدراک کے نتیجہ میں فطری طور پر تفسیر طبری میں مذکور قتادہ، مجاہد، عطیہ عوفی کی مرویات کے تئیں فواد سیزگین کی بیان کردہ تعداد کے متعلق بھی شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔

۱۲۔ فواد سیزگین کے زیر بحث زمانہ میں بھی چند ایسی تفاسیر پائی جاتی ہیں جو اس قدیم ترین تفسیر سے ماخوذ ہیں حالانکہ انھوں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ انھوں نے زمانی ترتیب کے لحاظ سے مختلف مقامات پر تفسیر عطاء الخراسانی (م۱۳۵ھ)، تفسیر نافع بن اَبی نعیم القاری المدنی (م۱۶۹ھ)، تفسیر مسلم بن خالد الزنجی (م۱۷۹یا۱۸۰ھ) تفسیر یحییٰ بن یمان العجلی (م۱۸۸یا۱۸۹ھ) کا ذکر کیا ہے حالانکہ انھیں اس مقدمہ میں جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔ تفسیر محمد بن سائب کلبی (م۱۴۶ھ) معمر (م۱۵۴ھ) سے مروی مرویات پر مشتمل تفسیر عبدالرزاق بن ہمام (م ۲۱۱ھ)، تفسیر سفیان ثوری (م۱۶۱ھ)، تفسیر مقاتل بن سلیمان (م۱۵۰ھ) کا بھی ذکر کرنا چاہئے تھا، کیونکہ ان کا تعلق اسی دور سے ہے جس کا ذکر فواد سیزگین نے کیا ہے کہ یہ تمام تفاسیر اس قدیم ترین تفسیر سے ماخوذ ہیں۔

۱۳۔ تفسیر کے ضمن میں فواد سیزگین مستشرقین کی طرح معتزلہ کے افکار ونظریات سے بھی متاثر نظر آتے ہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے بعض مفسرین تابعین کے سلسلہ میں معتزلی علماء سے منقول نقد وطعن کو ذکر کیا ہے۔ مزید انھوں نے مفسرین تابعینِ ابن عباس پر دوسرا غلط الزام یہ لگایا ہے کہ ان کی تفاسیر عالم غیب کی تصویر کشی کرتی ہیں اور دلیل میں مشہور معتزلی شخصیت ابواسحاق نظام کا قول

نقل کیا ہے کہ ان کی تفسیر تفسیر بالماثور نہیں ہے۔

فواد سیزگین نے حضرت ابن عباس کے اہم تلامذہ میں سے سعید بن جبیر (م ۹۵ھ/۱۳ ۷ء)، مجاہد (م ۱۰۴ھ/۲۲ ۷ء)، عکرمہ (م ۱۰۵ھ/۲۳ ۷ء)، عطاء بن ابی رباح (م ۱۱۴ھ/۳۲ ۷ء)، کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس اور ان کے مشہور تلامذہ کی تفاسیر تاریخی وفقہی تشریحات اور عالم غیب کی تصویر پر مشتمل ہونے کے ساتھ بہت زیادہ لغوی مسائل کو بیان کرتی ہیں۔

لیکن نظام معتزلی کی رائے پر انہوں نے اس درجہ اعتماد کیا کہ وہ اہل سنت وجماعت کی آراء کو یکسر بھول گئے کہ نظام کی رائے اس سلسلہ میں انفرادی حیثیت رکھتی ہے ورنہ علماء اہل سنت وجماعت ابن عباس کے ان تلامذہ کے ثقہ ہونے پر متفق ہیں، ساتھ ہی ساتھ ان کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان کی تفسیر خصوصاً ان کے شیخ ابن عباس سے مروی تفسیر، تفسیر بالماثور ہے اور ان تمام حضرات کا شمار تفسیر بالماثور کے اہم ارکان میں ہوتا ہے۔

ابن عباس کے متذکرہ بالا تلامذہ میں ضحاک کی سند البتہ منقطع ہے لیکن سعید بن جبیر کی سند سے ان کی تفسیر بھی تفسیر بالماثور میں شامل ہو جاتی ہے۔

مزید براں مضمون نگار نے اپنی بات کی تائید میں تین نہایت قوی وجوہ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے پیش نظر اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ مذکورہ بالا تینوں شکلوں کی موجودگی میں یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا ہے کہ ان مفسرین تابعین نے اپنی آراء وافکار کے مطابق تفسیر بیان کی ہیں جس کی کوئی ماثوری اساس نہیں ہے، بلاشبہ وہ تفسیر بالماثور کے اہم مفسرین ہیں، جہاں تک ان سے مروی مراسیل کا تعلق ہے تو وہ بھی مختلف طرق کی وجہ سے مرفوع کے درجہ تک پہنچ جاتی ہیں، اگر تفسیر بالماثور کی کتب کا جائزہ لیا جائے تو مذکورہ بالا شخصیات سے مروی ہزاروں روایات کا ثبوت مل جائے گا جو ان مرویات کے ماثور ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ ان کتب کی بنیاد ہی ان حضرات کی مرویات پر قائم ہے۔

انھوں نے مذکورہ بالا اصحاب کی تفسیر کو تفسیر بالماثور ہونے کی ایک اور دلیل یہ دی ہے کہ سعید بن جبیر نے کوفہ سے مکّہ کا سفر صرف ابن عباس سے ایک آیت کی تفسیر پوچھنے کے لئے کیا ہے یہ محض ایک مثال ہے ورنہ اس طرح کے واقعات بے شمار ہیں اگر یہ حضرات اہل الرائے ہوتے تو اپنی رائے کو پیش کر دیتے اور مطمئن ہو جاتے، خواہ مخواہ سفر کی صعوبت نہ برداشت کرتے۔

۱۴۔ فواد سیزگین کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ قرآن کی خالص لغوی تفسیر کا آغاز ابن عباس نے مشہور خارجی عالم نافع بن ازرق کے سوالوں کے جواب کی صورت میں کیا ہے کیونکہ نافع بن ازرق کے سوالات جن تین سلسلوں سے طبرانی کی ''المعجم الکبیر ''ابن الانباری کی ''الایضاح فی الوقف والابتداء ''اور سیوطی کی'' الاتقان فی علوم القرآن ''میں مذکور ہیں، ان میں حسب ترتیب جویبر، محمد بن زیاد یشکری اور عیسی بن داب بھی شامل ہیں اور ان سب کا شمار متروکین کذابین اور حدیث گھڑنے والوں میں ہوتا ہے، چنانچہ جب یہ سوالات ہی پایہ ثبوت کو نہیں پہونچتے تو فواد سیزگین کا مذکورہ بالا نتیجہ اُخذ کرنا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے۔ فواد سیزگین کے طرز تحقیق کا سب سے عجیب پہلو یہ ہے کہ وہ مستشرقین کی غلطیوں میں تو ان کی پوری پوری موافقت کرتے ہیں لیکن معدودے چند مقامات پر جہاں وہ صحیح نتائج تک پہونچ گئے ہیں وہاں وہ ان کی تغلیط کرتے ہیں مثلاً مذکورہ بالا مسئلہ۔ یعنی حضرت ابن عباس سے نافع بن ازرق کے سوالات کے سلسلہ میں گولڈزیہر کی صحیح رائے کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ بھلا اسے ایک افسانہ کیوں کر مانا جاسکتا ہے جب کہ حضرت ابن عباس نے نافع بن ازرق کے سوالات کے جواب میں تقریباً دوسو الفاظ کی تشریح کی ہے۔

۱۵۔ ایک طرف تو ان کا یہ رویہ ہے دوسری طرف اسی صفحہ پر حضرت ابن عباس کے سلسلہ میں گولڈزیہر اور لاٹ کی افترا پردازیوں کو من وعن تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بعض کلمات کی تفسیر وتشریح میں انہوں نے ابوالجلد جیلان بن فروہ سے

استفادہ کیا ہے، ابوالجلد مخضرمی تھا اور اس کا دعوی تھا کہ اس نے قدیم کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ اسی ضمن میں دو یہودی عالم کعب الاحبار اور عبداللہ بن سلام سے بھی جو مسلمان ہو گئے تھے استفادہ کرنے کا ثبوت ملتا ہے، موخر الذکر دونوں شخصیت کی وجہ سے لاٹ نے اسے ایسے مکتبۂ فکر کا نام دیا ہے جس میں یہودی فکر کی آمیزش ہے (مدرسۃ ذات لون یہودی) اور اسے حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کیا ہے۔

فواد سیز گین کی اصل عبارت کی روشنی میں افتراء کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں۔

ا۔ ابن عباس نے ابوالجلد سے روایت کی ہے۔ ثبوت میں تفسیر طبری سے ابوالجلد سے مروی پانچ روایات نقل کی ہیں۔

مضمون نگار نے ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ان سب کو ضعیف قرار دیا ہے جس کے نتیجہ میں یہ الزام یکسر ساقط ہو جاتا ہے، سند پر گفتگو کرنے کے بعد انھوں نے متن پر گفتگو کی ہے روایت میں ''رعد'' کے معنی ''ریح'' (ہوا) بیان کئے گئے ہیں۔ حالانکہ مسند احمد بن حنبل، سنن ترمذی، سنن نسائی، اور تفسیر ابن ابی حاتم میں صحیح سند سے اس کے معنی ''ملک'' (فرشتہ) منقول ہے، ظاہر ہے ثابت شدہ صحیح سند سے مروی، معنی غیر صحیح سند سے مروی غیر ثابت معنی یکساں نہیں ہو سکتے ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ ابن عباس امام شافعی کی طرح قدیم و جدید کے قائل تھے، بنیادی بات وہی ہے کہ فواد سیز گین نے غیر ثابت شہادت سے استشہاد کیا ہے جو بدیہی طور پر غلط ہے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ابن عباس سے مروی بعض روایات میں بظاہر تناقض و تضاد پایا جاتا ہے لیکن جب باریک بینی سے ان روایات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو وہ ظاہری تناقض و تضاد بھی ختم ہو جاتا ہے، مضمون نگار نے اسے مثال کے ذریعہ واضح کیا ہے۔

۲۔ فواد سیز گین کا ابن عباسؓ پر دوسرا الزام یہ ہے کہ وہ مسلم ہو جانے والے دو یہودی علماء کعب الاحبار اور عبداللہ بن سلام سے استفادہ کرتے ہیں، اور اس کی دلیل میں یہودی مستشرق گولڈ زیہر کا قول نقل کرتے ہیں کہ ان نصوص سے اسلام قبول کرنے والے دو یہودی علماء حضرت کعب الاحبار اور عبداللہ بن سلام سے استفادہ

کرنے کا ثبوت فراہم ہوا ہے۔ فواد سیزگین کے اس استدلال پر نقد کرتے ہوئے مضمون نگار نے لکھا ہے کہ نصوص سے مراد شاید وہی پانچوں روایات ہیں جو طبری کے حوالے سے نقل کی گئی ہیں، لیکن اگر اس سے مراد ان کے علاوہ کچھ اور ہے تو بہتر ہوتا کہ انہوں نے ان ''نصوص'' کی تصریح کردی ہوتی تاکہ ان کو نقد ونظر کی کسوٹی پر رکھ کر ان کا مقام ومرتبہ متعین کیا جاسکتا۔

۱۶۔ فواد سیزگین نے مستشرق لاٹ کی آراء سے متاثر ہوکر مسلمان ہونے والے یہودی علماء کعب الاحبار اور عبداللہ بن سلام سے مروی روایات کو یہودی رنگ سے متاثر مکتب فکر قرار دیا ہے اور اسے ابن عباس کی طرف منسوب کیا ہے۔

مضمون نگار نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے یہ محض ان کے تخیل کا کرشمہ ہے ورنہ اس قسم کے کسی مکتب فکر کا کوئی وجود نہیں ہے اور اگر بفرض محال ہے تو اس کے نصوص ومرویات کہاں ہیں۔

اگر حضرت ابن عباس نے ان دونوں حضرات کے حوالہ سے تفسیری مرویات بیان کی ہیں تو کیا اسے ایک مستقل مدرسہ فکر قرار دیتے ہوئے اس کو ابن عباس کی طرف منسوب کیا جائے گا؟ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ان دونوں حضرات سے ابن عباس اور ان کے شاگرد کچھ روایات بیان کرتے ہیں تو بھی اسے یہودی مکتب فکر قرار دینا قرین انصاف نہیں کیوں کہ متذکرہ بالا یہودی علماء اسلام کے دائرہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اسلام میں داخل ہونے والے یہودی علماء سے مروی اہل کتاب کے متعلق اخبار ومرویات کے بارے میں اس شبہ کی تردید کرتے ہوئے مضمون نگار نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس سے قبل انھوں نے اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کیا ہے۔

یہود ونصاری سے تعلق رکھنے والے مستشرقین کے جن خیالات وآراء کو فواد سیزگین نے نقل کیا ہے اس کا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ تفسیر بالماثور کا سارا ذخیرہ اور خود علم تفسیر شک وشبہ کے دائرہ میں آجائے گا کیونکہ تفسیر بالماثور ہی علم تفسیر کی بنیاد ہے اور اس کے واسطے اور اس کے بغیر علم تفسیر تکمیل کے مرحلہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

(مجلة الجامعة الاسلاميه، المدينة المنوره شمارہ نمبر ۸۵-۱۰۰، المحرم ۱۴۱۰ھ۔ ذوالحجہ ۱۴۱۳ھ)

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں قرآنیات پر تحقیقی مقالات

۱۳۹۶ھ۔۱۴۲۰ھ / ۱۹۷۵۔۱۹۹۹ء

محمد اجمل اصلاحی

اس سے قبل مجلّہ علوم القرآن کے قارئین کی خدمت میں قرآنیات پر مصری اور ترکی جامعات کے تحقیقی مقالات کی فہرستیں پیش کی جاچکی ہیں (ملاحظہ ہو جلد ۵ شمارہ ۱، جنوری۔جون ۱۹۹۰ء اور جلد ۹، شمارہ مشترک، ۱۔۲ جنوری۔دسمبر ۱۹۹۴ء) سعودی جامعات میں سے جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض کے مقالات کی ایک نہایت مختصر فہرست پہلے شمارے میں چھپی تھی۔اس کے بعد جامعۃ ام القری مکہ مکرمہ کے مقالات کی ایک منتخب فہرست جلد سوم کے مشترک شمارے میں شائع ہوئی۔اس طرح کی فہرستوں کی اہمیت اور قرآن مجید کے طلبہ اور محققین کے لئے ان کی اشاعت میں افادیت کے جو گوناگوں پہلو ہیں ان کے پیش نظر آئندہ صفحات میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے قرآنی مقالات کی ایک ۲۴ سالہ جامع فہرست پیش جارہی ہے۔

جامعہ اسلامیہ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء میں قائم ہوئی۔اس کا خاص مقصد عالم اسلام کے طلبہ کو عربی زبان اور دینی علوم سے بہرہ ور کرنا ہے۔اسی بناپر اس یونیورسٹی میں غیر سعودی طلبہ کی تعداد پچاسی فیصد ہوا کرتی تھی۔یہ تناسب شاید اب کم ہوگیا ہے لیکن اکثریت ہنوز باہر کے طلبہ ہی کی ہے۔جامعہ اسلامیہ میں پانچ کلیات (فیکلٹیاں) ہیں۔ ۱۔کلیۃ القرآن الکریم ۲۔کلیۃ الحدیث الشریف ۳۔کلیۃ الشریعۃ ۴۔کلیۃ الدعوۃ واصول الدین ۵۔کلیۃ اللغۃ العربیہ ہر فیکلٹی میں کئی شعبے (اقسام) ہیں جن کی مجموعی تعداد تیرہ ہے۔جامعہ اسلامیہ میں ''دراسات علیا'' یعنی ایم اے اور پی ایچ ڈی میں داخلوں کی ابتدا ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۵ء میں ہوئی اور پہلا تحقیقی مقالہ ۱۳۹۷ھ میں پیش ہوا۔